

خون شک

یہ ناقابل یقین
واقعہ صوبہ بہار
کے شہر گیا میں
پیشے آیا

لوڑھے پروہت

نے کہا۔

”اودے آخر تم

آہی گئے

میں

صدیوں

سے تمہارا

منظر تھا۔“

حسن ہاشمی

یہ ۱۹۶۴ء کی بات ہے۔ میں اپنے عزیزوں سے ملنے ہندوستان گیا ہوا تھا۔

دہلی میرے ایک ماموں مقامی کالج میں انگریزی کے شعبے کے صدر ہیں۔ میں بھی اسی شہر میں پیدا ہوا تھا، لیکن پھر پاکستان آجانا پڑا۔ میرے شہر کا نام گیا ہے۔ یہ شہر بدھ مذہب کے پیروؤں کے لئے بڑا مقدس اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اب سے ہزاروں سال قبل بدھ مذہب کے بانی گوتم بدھ نے کپل دستو سے نکل کر گیان حاصل کیا تھا۔ ۳ لاکھ کی آبادی کا یہ چھوٹا سا شہر بس کے تین اطراف میں پہاڑیاں ہیں اور ایک طرف ندی بہتی ہے۔ اپنے دلکش مناظر میں جواب نہیں رکھتا۔ شہر سے نکلنے ہی دور دور تک پھیلے ہوئے سرسبز دشا داب کھیت اور باغات بڑا حسین اور رومان پرور منظر پیش کرتے ہیں۔ شہر سے تقریباً ۹ میل جنوب میں ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ یہ بستی دہلی تک مختلف مندروں اور یگروڑوں کی آماجگاہ ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں گوتم بدھ نے تپسیا کی تھی اور نہیں گیان حاصل ہوا تھا۔ اس جگہ کو اس عظیم ہستی کے نام کی مناسبت سے نام دیا گیا ہے۔ اس جگہ کو بدھ گیا کہتے ہیں۔ یوں تو یہاں تمام سال بدھ یا تری مختلف جگہوں سے اپنے مقدس مقام کی زیارت کے لئے آتے رہتے ہیں لیکن اس کے علاوہ یہاں ایک سالانہ میلہ بھی لگتا ہے۔ یہ میلہ دراصل وہ جشن ہوتا ہے جو گوتم بدھ کی پیدائش کی خوشی منایا جاتا ہے۔ ایک ہفتے تک یہ میلہ لگا رہتا ہے۔ اس میں شرکت کے لئے تمام دنیا سے بدھ مذہب کے پیرو آتے ہیں۔ میلے کے دنوں میں یہاں ایک دم سے گہما گہمی بڑھ جاتی ہے اور میلہ ختم ہونے کے بعد تک رہتی ہے۔ شہر کا نظم و نسق منہانے میں حکام کو بڑی دقت پیش آتی ہے اور اسی

لئے ان دنوں طلبہ کی ایک بڑی تعداد باہر سے آنے والے یا تریوں کی خدمت کے لئے مامور کی جاتی ہے۔ اسٹیشن سے تانگوں اور رکشوں پر سوار یا تریوں کا قافلہ تمام دن گزرتا رہتا ہے۔

گیا پہنچنے کے دو تین دنوں تک تو میں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں میں گھرا رہا۔ پھر میں نے بدھ گیا جانے کا ذکر ماموں جان سے کیا۔

ماموں جان نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر سنبھل کر ایک سرد آہ بھری۔ ان کے چہرے پر اچانک ایسے تاثرات نمودار ہو گئے جو میں نے آج تک نہیں دیکھے تھے۔ میں نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا "ماموں جان کیا بات ہے۔ آپ بدھ گیا کے نام پر کچھ پریشان سے ہو گئے۔ آفر بات کیا ہے؟"

وہ کہنے لگے "حسن میں بہت دنوں سے ادھر نہیں گیا ہوں۔ اس دوران کئی مرتبہ میرے دوست باہر سے آئے اور انہوں نے اصرار کیا کہ میں ان کے ساتھ چلوں لیکن میری ہمت نہیں پڑی۔ میں انہیں وہ واقعہ بتانہ سکا جو مجھے زندگی بھر یاد رہے گا اور جس نے میرے اعصاب پر بڑا دباؤ ڈالا ہے۔ میرا خیال ہے تم اپنے بھائی کو ساتھ لے لو اور اس کے ساتھ چلے جاؤ؟"

میں نے ہٹ کرتے ہوئے پوچھا مگر وہ واقعہ کیا ہے جو آپ کے دل پر نقش کر گیا ہے اور آپ بدھ گیا جانا پسند نہیں کرتے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے بھی سنا دیں۔

ماموں جان کے متغیر چہرے پر ادا سی کی لکیریں ابھر آئیں۔ کہنے لگے "دہلی میرے ساتھ میری زندگی کا عجیب و غریب واقعہ بلکہ حادثہ پیش آیا ہے۔ لا جگہوں پر جا کر میرے زخم تازہ ہو جاتے ہیں۔"

پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

میں سمجھ گیا کہ ماموں جان کے ساتھ واقعی کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے اور وہ بتانے سے گریز کر رہے ہیں مگر ان کے ساتھ جانے میں لطف ہی کچھ اور تھا اس نے میں نے پھر اصرار کیا۔

”دیکھتے، ہم تو اتنی دُور سے آپ سے ملنے آئے ہیں اور آپ ہیں کہ ہمارے ساتھ بدھ گیا تک جانے پر تیار نہیں۔ میرے شدید اصرار پر وہ کچھ آمادہ سے ہونے لگے۔ وہ مجھے بہت عزیز رکھتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ انکار نہ کر سکے۔

دوسرے دن ہم لوگ بدھ گیا پہنچ گئے۔ یہاں مختلف ممالک کے بدھ بھکشوؤں نے اپنے اپنے پلوٹے بنا رکھے ہیں لیکن ان سب سے علیحدہ ایک بہت بڑا مندر ہے جسے گوتم بدھ کے ہی زمانے میں بنایا گیا تھا۔ پتھر کے اس عظیم الشان مندر کو دیکھ کر گزشتہ وقت کے فنکاروں کو داد دینے کا جی چاہتا ہے۔ پورے مندر پر مور میں بیل بوڑوں کی شکل میں بنائی گئی ہیں اور یہ سب پتھر سے تراشی ہوئی ہیں۔ ان منھے منھے بتوں کے ذریعہ گوتم بدھ کی پوری سوانح حیات اور ان کی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس مندر کا رقبہ بہت بڑا ہے اور اس کی اونچائی اتنی ہے کہ تین چار میل دور ہی سے اس کا عکس دکھائی دیتا ہے اس مندر میں ایک بہت بڑا کمرہ ہے۔ بدھ بھکشوؤں کے کہنے کے مطابق یہ وہ جگہ ہے جہاں مہاتما بدھ کا دیہانت ہوا تھا۔ اس جگہ گوتم بدھ کی ایک بہت بڑی پتھر کی مورتی نصب ہے جسے، سیرے جواہرات سے سجایا گیا ہے۔ جب میں گھومتا ہوا دہاں پہنچا تو ماموں جان نے گوتم بدھ کی مورتی کو گھورتے ہوئے کہا۔

”حسن!

یہاں میری زندگی کا ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے! کافی دیر تک وہ گم غم سے کھڑے رہے جیسے ماضی کی یادوں میں بھٹک گئے ہوں۔ پھر انہوں نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس راز کو آشکار کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ تاہم ان کی جو کیفیت اس وقت ہوتی اسے دیکھ کر مجھے اسے جاننے کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ لیکن ماموں جان کی خاموشی دیکھ کر میں بھی خاموش ہو گسیا۔ گھر واپس آنے کے بعد بھی وہ کچھ الجھے الجھے سے دکھائی دے رہے تھے۔

رات کے کھانے کے بعد جب میں اور وہ تنہا رہ گئے تو ماموں جان نے کہنا شروع کیا۔

”حسن! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس راز کو جاننے کے لئے تم بہت مضطرب ہو تو سنو!

”یہ راز میرے سینے میں ایک عرصے سے دفن ہے لیکن آج تم نے دہاں لے جا کر پھر اس کی یاد تازہ کر دی ہے“ میں ہمدن گوش تھا۔ وہ حقے کی منہ میں لگاتے کہہ رہے تھے۔

”آج سے تقریباً ۳۰ سال قبل جب میں اکسفورڈ میں زیر تعلیم تھا۔ میری ملاقات اشوک نامی ایک لڑکے سے ہوئی۔ یہ لڑکا تبت کے کسی تاجر کا بیٹا تھا اور بدھ مذہب کا پیروں تھا۔ اشوک مجھے بہت پسند آیا اور ہم ایک دوسرے کے روم میٹ ہو گئے۔ اشوک میں نہ جانے کیا کیا خوبیاں تھیں۔ وہ ایک جاذب شخصیت کا حامل تھا اور ذہین طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین ایتھلیٹ بھی تھا۔ کسی حد تک اسے دست شناسی پر بھی عبور حاصل تھا۔“ ماموں جان نے مسکراتے ہوئے مجھے

دیکھا اور پھر کہنے لگے لیکن صرف لڑکیوں کی حد تک۔ وہ لڑکیوں میں بہت مقبول تھا۔ وہ ہر وقت قہقہے بکھیرتا تھا اس کی زندہ دلی سے تمام دوست واقف تھے۔ اپنے حلقے میں وہ پرنس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ وہ دن ہماری زندگی کی سرخوشی اور سرستی کے دن تھے۔ ایک دن یکایک ہم تمام دوستوں پر غم ٹوٹ پڑا۔ اشوک کے باپ کے انتقال کی خبر آتی تھی۔ خبر سن کر اشوک پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ دوسرے ہی دن وہ ہم سب کو اس چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ کچھ دنوں تک تو اس کے متعلق ہم لاعلم رہے لیکن پھر ایک دن اس کا خط مجھے ملا۔ اس نے لکھا تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد تمام کاروبار کی ذمہ داری اس پر آن پڑی تھی۔ شروع شروع میں تو کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی لیکن رفتہ رفتہ اس نے تمام کام بحسن و خوبی سنبھال لیا تھا۔ ہمیں اکثر اس کے خطوط ملتے رہے۔ میری تعلیم ختم ہو گئی تھی اور میں واپس آ گیا۔ مجھے یہاں ملازمت مل گئی۔ یہاں بھی ہمارے اور اس کے درمیان خطوط کا سلسلہ جاری رہا۔

”ایک دن میں کالج سے واپس آیا ہی تھا کہ اس کا خط ملا۔ انہیں دنوں یہاں بدھوں کا میلہ لگنے والا تھا۔ اس نے خط میں لکھا تھا کہ اس سال یا تیرا کے لئے وہ بھی آ رہا ہے۔ اس کا خط پا کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ایک عرصے کے بعد اس سے ملاقات ہو گئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اس دن ۱۹ تاریخ تھی اور میلہ ۲۵ تاریخ سے شروع ہونے والا تھا گویا ہر حال میں اسے ۲۴ تاریخ تک میرے پاس پہنچ جانا چاہیے تھا اور یہی ہوا۔ ۲۴ تاریخ کو ایک رکشہ دروازے پر آ کر رکا اور میں اشوک سے لپٹ گیا۔ میری اس کی ملاقات پانچ سال بعد ہوئی تھی لیکن اس میں تو

کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ وہ ویسا ہی پانچ سال پہلے والا اشوک تھا، کلنڈر اور شوخ۔ اس دن وہ بہت تھکا ہوا تھا اس لئے ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اسے سونے کی اجازت دے دی۔

”شام کو میں نے اسے اپنے دوستوں سے ملایا۔ دوسرے دن میں اسے لے کر بدھ گیا کے لئے روانہ ہوا۔ ہم دونوں تقریباً گیارہ بجے بدھ گیا پہنچے۔ پوری بستی دلہن کی طرح سبھی ہوتی تھی۔ ہر جگہ رنگ برنگی جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ دُور تک یا تریوں کے ٹھہرنے کے لئے خیمے نصب تھے۔ چھوٹے چھوٹے بہت سارے ہوٹل بھی خیموں میں بنے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ گوتم بدھ کی مورتی اور دوسری متبرک اشیا کی خرید و فروخت جاری تھی۔ بڑی تعداد میں اس بوڑھے پیل کے خشک پتے بھی فروخت کئے جا رہے تھے۔ ان خشک پتوں پر مختلف رنگوں میں مہاتما کی تصویر بنی ہوئی تھیں۔ بڑے مندر کے احاطے میں ابھی تک پیل کا ایک بہت پرانا اور بہت بڑا درخت ہے۔ یہ تمام پتے اسی درخت کے تھے۔ بدھ بھکشوؤں کے کہنے کے مطابق یہی وہ خاص پیل کا درخت ہے جس کے نیچے ہزاروں سال قبل مہاتما بدھ نے بیٹھ کر دروان حاصل کیا تھا اور یہ درخت ابھی تک اپنی جگہ پر قائم ہے عام خیال ہے کہ اس درخت کے نیچے ایک عجیب قسم کا سکون ملتا ہے“

ماموں جان کچھ دیر کے لئے خاموش بیٹھے فلاؤں میں گھومتے رہے۔ چند ثانیوں بعد وہ دوبارہ گویا ہوئے۔ ”تمام بگڑوں اور مندروں میں ایسا وہ گوتم بدھ کی مورتی کے قدموں میں گھس کے چراغ روشن تھے اور ہر طرف چڑھارے کا ڈھیر لگا تھا۔ پھول پیسے۔ چادر اور زیورات۔ ہم دروازے مختلف مقامات سے گھومتے ہوئے اس مندر میں پہنچے جس

آخر تم آہی گئے۔ میرا برسوں کا ریاض ضائع نہیں گیا
مجھے یقین تھا ایک دن تم ضرور آؤ گے۔ اب میں پاروتی کے
سامنے سرخرو ہو سکوں گا۔ آؤ میرے بیٹے۔ میرے ساتھ آؤ
دیکھو تمہارے انتظار میں میری کیا حالت ہو گئی ہے۔ ہم



کے احاطے میں پھیل کا درخت ہے۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد ہم
اس کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے۔ جہاں مہاتما بڑے
لاہانت ہوا تھا۔ دہاں معتقدین کا ایک ہجوم تھا۔ گھوڑے
سے کھواچھل رہا تھا لوگ ایک دروازے سے داخل ہو کر
دوسرے دروازے سے باہر نکل رہے تھے۔ بہت دیر
بعد کہیں ہمیں اندر جانا نصیب ہوا۔ مہاتما بڑے کی اس
مورتی میں نہ جانے کیا تقدس تھا کہ کچھ دیر کے لئے میری
نظریں بھی جھک گئیں۔ مورتی کے قدموں کے پاس ہی
بڑھاپہ پر دہت بیٹھا تھا پورے کمرے میں عود و لوبان کی دل
خوش کن خوشبو رچی ہوئی تھی۔ جلتے ہوئے چراغ کی سرخ
روشنی سیاہ پتھر کے بت پر منعکس ہو ہو کر عجیب کیفیت
پیدا کر رہی تھی۔ ہمارے اندر داخل ہوتے ہی پراسرار قسم
کے پردہ پر دہت نے اچلتی سی نگاہ ہم لوگوں پر ڈالی اور پھر
دہ چوٹک اٹھا۔ دہ پردہ پر دہت جس کی عمر شاید سو سال سے
بھی زائد ہو۔ مجھے بڑا خوفناک معلوم ہوا۔ اسکا بدن صرف
ہڈیوں اور پھر یوں کا مجموعہ تھا۔ اس کی پلکوں کے بال تک
نفسی کی وجہ سے سفید ہو رہے تھے۔ لیکن اس کی آنکھیں اس
کی آنکھیں دیکھتے ہوئے انگارے کی طرح سرخ تھیں ان میں
سب کچھ تھا۔ ان آنکھوں میں ایسا جلال تھا جو میں نے
آج تک کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھا۔ اس کی خوفناک
آنکھوں پر نظر پڑتے ہی مجھے اپنے بدن میں جھرجھری سی آگئی
لیکن پردہ پر دہت تو صرف اشوک کو ٹھکائی لگائے گھوڑے جارہا
تھا اشوک، ہما تمبا بدھ کے چرنوں میں دوزانو بیٹھا تھا اور
پردہ پر دہت اسے گھوڑے جارہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت
اور مسرت کے طے۔ جلتے تاثرات تھے۔ میری سمجھ میں کچھ
نہیں آ رہا تھا۔ جب اشوک اٹھا تو پردہ پر دہت نے اس کا
ہاتھ پکڑ لیا اور جذباتی لہجے میں بولا۔

②



①



اشوک کا ماتھ پکڑوں اور یہاں سے بھاگ نکلوں لیکن نہ معلوم کون سی قوت مجھے ان کے پیچھے لے جا رہی تھی میرا دل دھڑک رہا تھا اور جسم پسینے سے خراب رہتا تھا یقیناً اشوک کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہ ہوگی۔ تھوڑی دیر اور آگے چلنے کے بعد جھاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹی سی بھونپڑی دکھائی دی۔ پردہت ہمیں لے ہوئے اس میں داخل ہو گیا پھونس کی اس چھوٹی سی بھونپڑی میں ایک جانب کھجور کے پتوں کی چٹائی بچھی تھی۔ ایک جانب مٹی کا گھڑا رکھا تھا اور وہیں پر مٹی کا ایک چراغ۔

پردہت ہمیں لے ہوئے چٹائی پر بیٹھ گیا۔ وہ سر جھکائے کسی خیال میں گم تھا اور ہم دونوں ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ میرا خوف اب کچھ کم ہو گیا تھا۔ بھونپڑی میں بہت ٹھنڈک تھی۔ دھوپ میں چل کر آنے کی وجہ سے مجھے نیند سی محسوس ہوئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پردہت نے کہنا شروع کیا۔ اس وقت بھی وہ اشوک سے مخاطب تھا۔

”اُدے۔ تم آگے۔ آخر تم آہی گئے۔ اب پار دتی

دونوں جیران تھے کہ وہ اشوک کو دیکھ کر یہ کیا کہہ رہا ہے۔ مگر وہ اشوک کا ماتھ پکڑ چکا تھا اور اسے شفیق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ نیزی سے اشوک کو اپنے ساتھ لے کرے سے باہر نکل گیا۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ بوڑھے کی پھرتی دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ میں نے اشوک کے ہرے کو دیکھا وہ بھی بہت گھرا یا گھرا یا ہوا تھا۔ لیکن پردہت کی بات وہ کیسے ٹال سکتا تھا۔ چنانچہ بغیر کسی احتجاج کے وہ پردہت کے پیچھے چل رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پردہت نے اس پر تنویم کا عمل کیا ہو۔ میری کیفیت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔

مندر سے نکل کر تقریباً آدھ میل چلنے کے بعد ندی بہتی ہے۔ وہ ہمیں لے ہوئے ندی پر پہنچا۔ ندی کے کنارے کناسے دوڑ تک جھاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ اب ہم لوگ ان جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ ندی خشک تھی تھوڑی دیر چلنے کے بعد ریت پر انسانی جسم کے ڈھانچے بکھرے پڑے تھے۔ شاید یہ مقام ہندوؤں کا شمشان تھا ہر طرف ساٹا چھایا ہوا تھا۔ انسانی اعضا کو اس بے ترتیب شکل میں دیکھ کر مجھ پر وحشت سوار ہونے لگی جی نہیں آیا کہ

رشتائی مل جائے گی؛ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ رقت انجینر لہجے میں بول رہا تھا۔

”بھگتی ہوئی پاروتی کو اب سکون مل جائے گا۔ میری پسپا اور پاروتی کی لگن رائیگاں نہیں گئی۔ وہ نہ جانے کیا کیا کہتا رہا پردہت کی باتیں سن کر مجھے محسوس ہوا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔ اشوک بھی ہکا بکا اسے تکدہا تھا جب وہ خاموش ہوا تو اشوک نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

”لیکن میرا نام اودے تو نہیں میرا نام اشوک ہے۔ یا یا! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے میری شکل بھی کسی اودے سے مشابہ ہو۔“ اس کی بات سن کر پردہت مسکرایا اور بولا ”نہیں بیٹے۔ میری پہچان غلط نہیں ہو سکتی میں نے جو کچھ بھی کہا ہے غلط نہیں۔ ماں یہ بات درست ہے کہ اب تمہارا نام اشوک ہے لیکن تمہارا اصل نام یہ نہیں۔

میں تو تمہارا اصل نام جانتا ہوں۔“ اس کے بعد پردہت نے ایک کونے میں پڑی ایک چھوٹی سی پوٹلی کھولی اس میں کچھ مٹھائیاں رکھی تھیں اس نے مٹھائی کا دو باجھائی پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”لو اسے کھاؤ۔“ یہ بڑے نفیس قسم کے پیڑے تھے شاید کسی متقصد نے پردہت کو نذر کئے ہوں۔ میری طبیعت چاہی کہ خیرات میں دی گئی اس مٹھائی کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں لیکن اشوک کو کھاتے دیکھ کر مجھے بھی کھانا پڑا۔ ہمیں کھانا دیکھ کر پردہت بہت خوش ہوا تھا اس کی بوڑھی آنکھوں میں چمک عود کر آئی تھی۔ اس کے بھرپور بھرے چہرے پر بڑی شفقت تھی۔ اس نے اشوک سے کہا۔ ”میرے بیٹے تم ابھی واپس نہیں جاؤ گے۔ مجھے تمہاری تلاش عرصے سے تھی آج سے نوچندی جہرات تک تم میرے مہمان رہو گے۔ آج سے ٹھیک پندرہویں دن نوچندی جہرات ہے۔ تمہیں ۱۵ دن میرے ساتھ رہنا ہو گا۔“

میرہوت کی دعوت گویا اشوک کے لئے جنت کا اعلان تھی۔ وہ بغیر تردد و کد کے خوشی پردہت کے ساتھ رہنے پر تیار ہو گیا۔ میری خواہش تھی اشوک یہاں نہ رہے نہ معلوم وہ کس مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ گو پردہت کے چہرے پر اشوک کے لئے بڑی شفقت تھی اور کسی بھی خطرے کے وقت اشوک اس بڈھے کے لئے کافی ہوتا لیکن اس کے باوجود مجھے خوف محسوس ہوا تھا میں نے پردہت کی مخالفت بھی کرنی چاہی لیکن اشوک تیار نہیں ہوا۔ وہ وہیں رہنے پر مصر تھا۔ اور وہیں پردہت کی کٹیا میں رہنے لگا۔

”ایک ہفتے بعد میلہ ختم ہو گیا اور یا تری تیزی سے واپس لوٹنے لگے۔ لیکن اشوک ابھی تک وہیں مقیم تھا۔ میں ہر روز وہاں جاتا تا کہ اشوک کی خیریت معلوم ہو سکے۔ وہ وہاں بہت خوش تھا۔ اشوک نے مجھے بتایا۔“

”پردہت رات گئے اسے سونا چھوڑ کر کٹیا سے باہر نکل جاتا ہے اور پوچھنے تک ندی میں کھڑا جا پکڑتا رہتا ہے۔ اشوک نے یہ بھی بتایا کہ پردہت اسے بہت عزیز رکھتا ہے اس کا تمام کام خود کرتا ہے اور اسے کوئی بھی کام نہیں کرنے دیتا۔ ”آخر وہ دن بھی آ ہی گیا جس دن کا پردہت کو انتظار تھا۔ اس دن میں صبح ہی سے اشوک کے پاس پہنچ گیا۔ تمام دن ہم لوگ مندروں اور پگوڑوں میں گھومتے رہے پردہت نے ہدایت کر دی تھی کہ سورج غروب ہونے سے قبل ہم اس کی کٹیا میں واپس پہنچ جائیں۔

وہ کٹیا کو لوٹتے وقت میں نے اشوک سے کہا۔

”بھئی۔ دیکھو تمہاری بات اور ہے۔ لیکن میرا دل آج بہت گھرا رہا ہے۔ میں آج کی رات تمہیں یہاں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ معاف کرنا مجھے اس پردہت کے طور طریقے کچھ عجیب سے لگتے ہیں۔“ اشوک نے میری رائے سے اتفاق کیا اور کہنے لگا

”آج کی رات تم میرے پاس ہی رک جاؤ۔ پتا نہیں آج رات کیا گل کھلے گا۔“

”ہم جب کٹیا میں پہنچے تو اس وقت تک پردہت واپس نہیں آیا تھا ہم لوگ بیٹھے اس کا انتظار کرتے رہے کوئی آٹھ بجے کے قریب وہ واپس آیا

”وہ ہم دونوں کو دیاں اکٹھا دیکھ کر پچلے تو جھجکا پھر مسکرا دیا۔“

”آج وہ بہت خوش تھا۔ اشوک نے اس سے کہا۔
”بابا! آج کی رات اگر میرا دوست بھی یہیں ٹھہر جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟ کچھ دیر تک پردہت خاموش رہا۔ پھر بولا: ”نہیں کوئی حرج نہیں؟“ اس کا جواب سن کر اشوک نے اطمینان کی سانس لی۔

”پردہت اپنے ساتھ کھانے کا سامان بھی لایا تھا۔ گھی میں تلی کچوریاں اور آلو کی ترکاری۔ چٹائی پر بیٹھ کمرہم لوگوں نے کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پردہت نہ جانے اپنی پوٹلی میں کیا کچھ رکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ہم دونوں کو اشتنان کرنے کا حکم دیا۔ پردہت کے حکم کے بموجب ہم لوگ اشتنان کرنے چلے گئے۔ ندی کا ٹھنڈا پانی بدن پر لگتے ہی ایک عجیب سرد محسوس ہوا۔ چاروں طرف تاریکی کا راج تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہم کافی دیر تک پانی میں رہے۔ پھر بادلوں کی ادٹ سے چاند نکل آیا اور ہر طرف ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی بکھر گئی جب ہم واپس ہوئے تو پردہت بھی تیار تھا۔ وہ ہمیں لئے ہوئے کٹیا سے باہر نکل آیا۔ چاند بار بار بادلوں سے آنکھ میچولی کھیل رہا تھا۔ کبھی تاریکی چھا جاتی اور کبھی روشنی ہو جاتی تھوڑی دیر بعد بادل چاند پر غالب آگئے اور زبردست قسم کی گرج چمک شروع ہو گئی۔

”میں گرج چمک کے اس ماحول سے بہت خوف کھاتا ہوں۔ اب خدا تم سوچو ایک گدھ جیسے پردہت کی ویران جھوپڑی، اندھیرے راستے اور اس پر بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک سے مجھ پر کیا خوف نہ طاری ہوا ہو گا۔ میں دیاں سے بھاگنا چاہتا تھا۔ مگر اشوک کو اس طرح چھوڑ کر بھاگنا بڑی بزدلی کی بات ہوتی۔ میں نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اشوک کی حالت البتہ مجھ سے بہتر تھی۔

”بہر حال ندی کے کنارے کنارے چلتے ہوئے ہم اس مندر تک پہنچ گئے جہاں پردہت ہمیں پہلی بار ملا تھا۔ وہ ہمیں لئے ہوئے اس کمرے میں پہنچ گیا۔ جہاں گوتم بدھ کی قد آدم مورتی نصب تھی کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن اندر کوئی نہیں تھا صرف ایک بڑا سا چراغ مہاتما بدھ کے چہروں میں روشن تھا۔ تیز ہوا کے سبب کبھی وہ کمرہ روشن کر دیتا اور کبھی تاریکی کمرے میں مسلط ہو جاتی۔ یہ منظر میرے لئے لرزا دینے والا تھا۔ مہاتما بدھ کی مورتی پر پڑتی ہوئی ہلکی ہلکی روشنی سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے تپھر کے اس بت کے چہرے پر دائمی مسکراہٹ رقص کر رہی ہو۔

”پردہت نے اشوک کو مہاتما بدھ کے چہروں کے پاس دوڑا تو ہو کر بیٹھنے کی تلقین کی میں بھی پاس ہی بیٹھے ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ پردہت نے کمرہ اندر سے بند کر لیا اب صرف چراغوں کی بھڑکتی ہوئی لویں رہ گئی تھیں۔ کمرے کے فرش، دیواروں اور مہاتما بدھ کی مورتی پر عین انسانی جسموں کے سائے پڑ رہے تھے۔ اگر یہ منظر کسی اور وقت دیکھتا تو ہشت سے میری جان نکل جاتی۔ لیکن اب رفتہ رفتہ میں خوف پر غالب آ رہا تھا۔ کمرہ بند کرنے کے بعد پردہت بھی دوڑا تو ہو کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کئے کچھ پڑھتا رہا پھر اس نے مورتی کے چہرے پر چھوئے اور اٹھ کھڑا ہوا۔



چل پڑے۔ چلتے چلتے ایسا محسوس ہوتا جیسے اندھیرے میں بہت سی بہت ناک شکلیں ہمیں گھور رہی ہوں۔ میں خوف سے آنکھیں بند کئے پروہت کا ہاتھ پکڑے چلتا رہا کوئی ایک گھنٹا چلنے کے بعد تنہ خانے کا دروازہ آگیا پروہت نے پتھر کے دزنی دروازے پر ہاتھ رکھا۔ وہ نہ جانے کس طرح بڑی آسانی سے ہٹا چلا گیا۔ پتھر ہٹتے ہی تنہ خانے میں روشنی کی کرنیں در آئیں۔ ہم لوگ باہر نکلے تو چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور ہم ایک پہاڑی کے دامن میں کھڑے تھے۔ نہ جانے وہ کون سی پہاڑی تھی۔ پہاڑی سے چشمہ اُبل رہا تھا اور چاروں طرف خوبصورت جنگلی پھول آگے ہوتے تھے۔ پروہت ہمیں لے ہوئے پہاڑیوں پر

”اس نے مورتی کے پیچھے جا کر نہ جانے کیا کیا میں نے دیکھا دناں پتھر کے چھوٹے چھوٹے زینے تاریکی میں گم ہو گئے تھے۔ وہ ہمیں لئے ہوئے زینوں پر اترنے لگا۔ اندر بالکل تاریکی تھی مجھے خوف محسوس ہوتا تھا اور دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی ہم پر وہت کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے اور وہ اتنی آسانی سے چل رہا تھا جیسے اس کے پاؤں ان زینوں کے لئے اجنبی نہ ہوں۔

”میں زینے گن رہا تھا۔ ۵، زینے اترنے کے بعد ہم لوگ غارِ تماہ خانے کے اندر تھے۔ اب زمین ہموار اور قدرے ریتلی شروع ہو گئی تھی تاریکی یہاں بھی تھی لیکن کہیں سے نازہ ہوا کے جھونکے آتے ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ جیسے ہی ہم نے تنہ خانے میں قدم رکھا ایک بہت ڈراؤنی آواز سے غار گونج اٹھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا دم نکل رہا ہو۔ کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے ہزاروں بلا تیں ایک ساتھ دور ہی ہوں۔ پروہت نے ہم دونوں کو اپنے سینے سے لگالیا۔ اس وقت ہمارے دل کی دھڑکنیں صاف سُنی جاسکتی تھیں۔ چند لمحوں بعد ایک بڑی چمگادڑ زور سے چنچتی ہوئی اندھیرے سے نکل کر اور پتھر پھڑاتی دوسری جانب چلی گئی۔ دہشت سے میری چیخ نکل پڑی۔ میری گھٹکی بندھ گئی تھی۔ پروہت ہمیں اپنے بازوؤں میں سیٹھے کچھ پر پھڑ پھڑا رہا تھا اور ہمارا جسم خوف سے لرز رہا تھا۔ آوازیں اب بھی گونج رہی تھیں لیکن اب ان میں اتنی شدت نہیں رہی تھی۔ پروہت کچھ اشلوک پڑھ پڑھ کر ہمارے اوپر پھونک رہا تھا۔ وہ ہماری پیٹھ تھپکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”گھبراؤ مت میرے بچو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آوازیں اب کچھ اور کم ہو گئی تھیں۔ تھوڑی دیر بھرے رہنے کے بعد جب ہمارے حواس بحال ہوتے تو ہم دوبارہ

چڑھنے لگا۔

وہ چھوٹی سی پہاڑی کے اوپر پھر ایک غار تھا۔ پر وہت ہمیں لئے ہوئے اس غار میں داخل ہو گیا۔ یہاں پتھر کا ایک چبوترہ بنا ہوا تھا اور وہیں پر ایک مورت نصب تھی لیکن یہ مورتی گوتم بدھ کی نہیں تھی۔ پر وہت نے ہمیں بتایا کہ یہ مورتی مہاتما بدھ کے خاص بھائی شکر کی ہے۔ لیکن اس کے متعلق لوگوں کو کچھ نہیں معلوم۔ جب مہاتما اس جگہ آئے تو ان کی ملاقات شکر سے ہوئی۔ شکر اس وقت ہندو دھرم کا پیرو تھا۔ لیکن پھر مہاتما بدھ کی تعلیمات سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنا سب کچھ تیاگ کر مہاتما کے ساتھ رہنے لگا۔ اس نے بھی مہاتما کے ساتھ ساتھ تکلیفیں برداشت کیں اور بدھ مذہب کا پرچار کرتا رہا۔ لیکن اس کے متعلق آج کی دنیا میں کسی بھی شخص کو کوئی علم نہیں اور اس راز سے صرف میں ہی واقف ہوں۔ یہ میرے گرد تھے۔ انہوں نے پوسے ہندوستان میں گھوم گھوم کر بدھ مذہب کی تبلیغ کی تھی۔ میں نے بھی انہی سے ورتیا حاصل کی۔

”پر وہت نے پُر شکوہ آواز میں کہا، میرے بچو! ڈرو نہیں اب ہمارا اصل سفر شروع ہونے والا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ تم ایک مقدس منظر دیکھنے والے ہو۔ ایک ایسا منظر جو تمہاری دنیا کا کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا۔ اشوک میرے بچے، میرے مقدس بچے تم جہاں سے گئے تھے وہیں پہنچنے والے ہو۔ وہ ہمیں پتھر کے چبوترے پر بٹھا کر کچھ اشلوک پڑھنے لگا۔ آنکھیں بند کئے وہ نہ جانے کیا کیا پڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایسا محسوس ہوا جیسے پتھر کی مورت میں جان پڑ گئی ہو اس کے جبرے پر مسکراہٹ رقص کر رہی ہو اور رُبت اپنی جگہ سے حرکت کرنے والا ہو۔ اسی وقت ہم پر غنودگی طاری

ہونے لگی۔ جب ہمیں ہوش آیا تو ہم ایک دوسرے غار میں موجود تھے۔ یہاں بھی مہاتما بدھ کی ایک بہت بڑی مورتی نصب تھی۔ بت کے قدموں کے پاس ہی پتھر کا ایک چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے پر ایک حسین لڑکی لیٹی ہوئی تھی اور وہیں پر ایک ستار رکھا تھا۔ لڑکی کے سر ملنے کا فوری شمعیں روشن تھیں اور ان سے پھوٹتے والی ٹھنڈی روشنی حسینہ کے خوبصورت چہرے پر پڑ رہی تھی۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں اس لڑکی کے حسن کو دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا اس کے لائے لائے سیاہ بال اس کے پیروں تک چلے گئے تھے۔ اس کے جسم پر ایک سفید ساڑھی بندھی تھی اور اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت تھیں۔ گردن میں پھوپھوں کی مالا پڑی تھی اور اس کے چہرے سے پاکیزگی اور تقدس عیاں تھا۔

”کافوری شمع کی روشنی میں ساڑھی میں لپٹا ہوا اس کا بدن کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ اسے دیکھ کر مجھ پر بے خودی سی طاری ہو رہی تھی۔ وہ بمشکل تمام ۱۸ سال کی لگ رہی تھی۔ اس کے جسم پر کوئی زیور نہیں تھا، سوائے پیپلوں کی اس مالا کے جو اس کی گردن میں پڑی تھی اور اس کی کمر تک چلی گئی تھی۔ اس کا بدن سفید پتھر سے ترشا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میں باوجود کوشش کے اپنی نظریں اس پری پکیر سے ہٹانے میں ناکام رہا۔ ایسا حسن میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایسا حسن تو صرف تصوراتی ہو سکتا تھا۔ وہ تو کوئی آسمانی مخلوق معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا جیسے اب وہ مسکرا پڑے گی اور اس کے لب کھلتے ہی نقرتی گھنٹیاں گنگنا اٹھیں گی۔

”میرے خیالات کا تانا بانا پر وہت کی آواز سے ٹوٹا

میں نے دیکھا۔ بوڑھا پر وہت لڑکی کے سر ہانے بیٹھا
 شوک پڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اپنی
 بولی سے کچھ جڑی بوٹیاں نکال کر اس آگ میں ڈال رہا تھا
 اس لڑکی کے سر ہانے اس نے روشن کی تھی۔ دھوئیں
 لپٹ کے ساتھ ایک مسکور کن خوشبو چاروں طرف پھیلی
 ہوتی تھی۔ پروہت کے بول میں اب زیادہ تیزی آگئی تھی
 اس کا بدن کانپ رہا تھا اور جلدی جلدی وہ پوٹلی سے
 نکال کر جڑی بوٹیاں آگ میں ڈالتا جا رہا تھا۔ دفعۃً
 اس نے آنکھ کھولی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح
 ہلک رہی تھیں۔ پروہت اپنی جگہ سے اٹھا اور اشوک
 بٹھا ہوا اس چبوترے کے گرد چکر لگانے لگا۔ گیارہ چکر
 لگانے کے بعد اس نے اپنی پوٹلی سے ایک خوبصورت
 تھی دانت کا بنا ہوا چاقو نکالا اور اشوک کے دانت
 تھ کی شہادت کی انگلی پر چرکا لگایا۔ خون کا دھبا
 اس کی انگلی پر پھیلنے لگا۔ پھر پروہت اسے لے ہوتے
 چبوترے تک پہنچا۔ وہ ابھی تک اشوک پڑھ رہا تھا۔
 اس نے اشوک کو کچھ اشارہ کیا۔ میں نے غصہ من کیا
 اشوک کی اس وقت ایسی کیفیت تھی جیسے وہ عالم تزیم
 ہو۔ میں نے دیکھا اشوک اپنی انگلی سے رشتے ہوتے
 رن کا ٹیکا لڑکی کے ماتھے پر لگا رہا ہے۔ جیسے ہی اس نے
 لگا یا بڑے زور سے بجلی کی کرک سنائی دی۔ ایک
 تر ہوا کا جھونکا مندر میں در آیا۔ میرا دل لرز گیا۔
 عین چند ثانیوں کو جھللا میں لیکن پھر سکوت ہو گیا۔
 اس وقت اس حسین لڑکی کے جسم میں حرکت ہوتی۔ رفتہ
 رفتہ اس نے آنکھیں کھولیں اور انگڑائی لیتی ہوئی اٹھ
 بیٹھی۔ اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سوتے
 جاگ گئی ہو۔ اس کی آنکھیں خمار آلود تھیں۔ اس نے

ایک نظر پروہت پر ڈالی اور زمین پر کھڑی ہو گئی۔ اس کے
 کھڑے ہوتے ہی پروہت اس کے قدموں میں گر پڑا
 اس نے پروقا را نڈاز میں اپنا ہاتھ اٹھایا اور شفقت
 سے پیجاری کے سر پر رکھ دیا۔ گویا آشیر وادے رہی ہو
 پھر اس نے اشوک کی جانب رخ کیا۔ اس کی خوبصورت
 آنکھوں میں یاس کی پرچھائیاں رقصاں تھیں۔ اس نے
 اپنے گلے میں پڑی ہوئی مالا اتاری اور اشوک کے گلے میں
 ڈال دی۔ پھر وہ کچھ کہتی ہوئی اس کے قدموں میں گر گئی
 جیسے کوئی داسی کسی دیوتا کے چرن چھو رہی ہو اشوک
 نے بھی کچھ کہا اور جھبک کر اسے بانہوں سے پکڑ کر اوپر
 اٹھالیا۔ میں نے دیکھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے
 ہیں وہ کچھ کہتی جا رہی تھی اشوک رو رہا تھا اور وہ بھی
 اس سے باتیں کر رہا تھا۔ نہ معلوم وہ دونوں کس زبان
 میں گفتگو کر رہے تھے۔ وہ اشوک کے سینے سے لپٹی ہوئی
 اسے بڑی محبت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں
 نشے کی کیفیت تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اشوک
 کو اپنے جسم میں سمو لینے کے لئے بے چین ہے۔ اشوک کا بھی
 یہی حال تھا۔ وہ اب بالکل بدلا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔
 پھر نہ جانے ان دونوں کی کیا گفتگو ہوتی کہ لڑکی کھلکھلا
 کر ہنس پڑی۔ سارے مندر میں گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔
 ”وہ وقار سے اس کی بانہوں سے نکلے اور اس
 نے چبوترے پر رکھے ہوئے ستار کو اٹھا کر اشوک کے
 حوالے کر دیا۔ اشوک نے مسکرا کر اسے اٹھالیا۔ میں خاموش
 تماشاقتی بنایہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ
 اشوک ستار کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہے مگر اس کی
 انگلیاں کسی ماہر فنکار کی طرح ستار سے الجھ گئیں۔ وہ
 ایک قدیم دھن تھی۔ مجھے موسیقی سے کوئی رغبت نہیں

مگر میں نے کبھی اس قسم کی دھن نہیں سنی تھی۔ اس دھن میں بے پناہ تاثر تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ لڑکی کمال مشاقی سے اسے پر رقص کر رہی تھی۔ اس کا انگ انگ ٹھک رہا تھا۔ وہ کچھ اس طرح ناچ رہی تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آج کے بعد وہ کبھی نہیں ناچے گی، جیسے ابھی ابھی اس کا پورا جسم بکھر جاتے گا۔ میں نے دیکھا اشوک دیوانوں کی طرح ستار بجا رہا تھا۔ ساڑھی میں طبعی اس نوجوان لڑکی کا مر میں بدن فنکارانہ رقص اور طلسماتی فضا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ اس کا ہوش ربار رقص اور دل کو بے تاب کر دینے والی دھن جب نقطہ عروج پر پہنچی تو اچانک اشوک سے ستار کا تار ٹوٹ گیا۔ ستار کا رکنا تھا کہ رقص کرتی ہوتی لڑکی کے قدم ساکت ہو گئے۔ وہ بے جان سی اشوک کے قدموں میں گری۔ اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی اور پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ پورے مندر میں ہولناک خاموشی مسلط ہو گئی تھی صرف بے ترتیب سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اشوک اسے چند لمحے محبت سے گھورتا رہا پھر اس نے اسے اٹھانا چاہا لیکن لڑکی کا جسم دوبارہ بے جان ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اشوک کا چہرہ پھر متغیر ہو گیا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اشوک نے اس لڑکی کو پھر اپنے ہاتھوں پر اٹھالیا اور دوبارہ اسی پتھر پر لٹا دیا جس پر کچھ دیر قبل وہ لیٹی ہوئی تھی۔ اشوک اسے مکملی باندھے تک رہا تھا۔ پھر وہ سک پڑا اور چپخنے لگا۔ وہ اس کے سر ہٹانے بیٹھ کر دل فگار آواز میں بین کرنے لگا۔ وہ لڑکی کے بے جان جسم سے چپٹا ہوا تھا۔ اس دوران پر دہمت

نے دوبارہ جا پ کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اشوک پڑھ رہا تھا اور مسلسل پڑھے جا رہا تھا مگر اشوک اس لڑکی سے علیحدہ نہیں ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر اشوک کو اس لڑکی کے پاس سے اٹھانا چاہا مگر اشوک نے غصے سے اسے دُور دھکا دے دیا۔ چاروں چار پر دہمت پھر اشوک پڑھنے لگا۔ میں نے اشوک کو آواز دی مگر میری آواز پر اس نے میری طرف دیکھا تک نہیں۔

”پر دہمت کچھ متوحش نظر آتا تھا۔ وہ برابر اشوک پڑھ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ کر گوتم بدھ کی مورتی کے قدموں میں جھک گیا اور گڑ گڑا کر کچھ پڑھنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر اشوک کو اس لڑکی سے علیحدہ کرنا چاہا۔ اور ایک مخصوص زبان میں کچھ کہا۔ مجھے صرف لفظ اونی ہی سمجھ میں آسکا۔ اشوک رقتا اور تڑپتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔ پر دہمت اسے میری طرف لے آیا مگر اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مجھے جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے ہے۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑا اور کہا:-

”اشوک ہوش میں آؤ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ خدا کے لئے اپنی حالت پر ترس کھاؤ۔ آؤ چلیں۔ اب یہاں سے چلتے ہیں۔“

”مگر اشوک تو اس طرح کھڑا تھا جیسے کچھ سن ہی نہیں رہا ہو۔ وہ مجھے گھور گھور کر دیکھتا رہا۔ پھر پر دہمت نے مجھے اشارہ کیا۔ میں اس کی طرف سوال طلب لگا ہوں سے دیکھتا ہوا گیا تو اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا:-

”میرے بیٹے! اسے ابھی سکون کی ضرورت ہے۔ اس پر ہیجان کا عالم ہے۔ وہ ایک بڑے صدمے سے

دچار ہے۔ میرا خیال ہے چند دن اور تم اسے یہیں
 بوڑو۔ میں تمہیں واپس لے جاتا ہوں۔
 مگر یہ سب کیا ہے؟ یہ کیوں؟ آخر یہ ماجرا کیا
 ہے؟ تم نے میرے دوست کو کیا کر دیا ہے؟ میں نے
 فلسفے سے پوچھا۔

”پر وہت نے پرسکون آواز میں کہا تمہارا
 دوست کسی اور کی امانت ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے کہ وہ
 اس وقت کہاں ہے؟ وہ اس وقت اپنے
 عظیم ماضی میں لوٹ چکا ہے۔“

”مگر، مگر“ میں اس پر برس پڑا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ تم
 سے مجھے واپس کر دو۔ یہ تمہارے چکر میری سمجھ میں نہیں
 آتے۔ میں ماضی و مستقبل کے کسی فلسفے کا قائل نہیں ہوں۔
 — تم ایک جا دو گر ہو۔ دیکھو میرے دوست کو
 ماں منت چھوڑو۔“

’ادہ۔ میرے بچے اسے اس حادثے کے بعد
 ٹھیک ہونے میں دیر ہی لگے گی۔ میں بھی چاہتا تھا کہ اسے
 آج ہی تمہارے ساتھ واپس کر دوں لیکن نہ جانے میری
 کوششیں کامیاب کیوں نہیں ہو رہی ہیں۔ شاید مقدس مہاتا
 کو کچھ اور منظور ہے۔ آؤ اب میرے ساتھ چلو۔“

”میں چھٹا رہا۔ نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔ اشوک
 پھر اس لڑکی کے جسم سے چٹا پڑا سک رہا تھا اور
 پر وہت میری پیچھے پکارا اور اشوک کی گریہ دزاری سے
 بے نیاز اشوک پڑھنے میں مصروف رہا۔ پھر مجھ پر غشی
 طاری ہو گئی میں نے خود کو ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔ جب
 میری آنکھ کھلی تو میں پر وہت کے ساتھ پہاڑی والے
 مندر میں موجود تھا۔ اب مجھ میں بھی تغیر آگیا تھا اور میں
 ایک وفادار کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل رہا
 تھا اور وہ انہیں پرخطر اور ہیبت ناک راستوں سے

لوہیٹر لین آئی ڈراپ

کے دو یا تین قطرے روزانہ
 صبح دوپہر اور شام
 استعمال کر کے آنکھوں کو
 تندرست و چمکدار رکھئے

خاندان بھر کیلئے مفید!
 اگر آپ کی آنکھیں دھوپ گر دیا
 مطالعہ کی وجہ سے جلن بھگن اور
 چبھن محسوس کرتی ہیں



گزر رہا تھا جہاں سے ہم اول شب گزرے تھے۔ جب ہم چلتے چلتے بڑے مندر کے قریب پہنچ گئے تو مجھے کچھ ہوش آیا۔ میں نے گھڑی دیکھی چار بج رہے تھے۔ ”پر وہت نے مجھ سے حکیم انداز میں کہا اب تم اپنے گھر چلے جاؤ۔“

”میں نے پوچھا مگر اشوک!“

وہ بھی تین چار دنوں میں تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔“

”اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔“

”میں نے پھر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔“

”کیا تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے؟ آخر میرے دوست کو کیا ہو گیا وہ اب تو مجھے پہچانتے سے بھی قاصر ہے۔“

”پر وہت کا لہجہ اب نرم پڑ گیا تھا۔ دھکنے لگا۔ ”سنو میرے بچے! تم نے اس وقت اپنی زندگی کا عجیب غریب منظر دیکھا ہے۔ اور جو کچھ دیکھا ہے وہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ تم اس دنیا کے لوگ شاید دیوتاؤں کے تقدس پر ایمان نہ لاؤ۔ مگر یقین کرو جو کچھ تم نے دیکھا ہے۔ وہ ان عظیم روحانی طاقتوں کا ایک ادنیٰ سا کوشش ہے۔ اشوک صدیوں سے اس پاکباز لڑکی کو مطلوب تھا۔ اس کی آغالبے چین تھی سنو اگر تم اس پر یقین بھی کر سکو۔“

”ہمالیہ کی ترائی میں ایک چھوٹی سی ریاست شانتی نگر تھی وہاں ہندو دھرم کے پیروں کرتے تھے۔ اور وہاں کے راجا کا نام ”دکرا“ تھا۔ دکرا ہی کے زمانے میں میرے گرد دیوی جن کے مندر سے ہم پاروتی کے پاس پہنچے تھے۔ مہاتما بدھ کے حکم پر بدھ مذہب کا پرچار

کرتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ مہاتما بدھ کی تعلیمات سے راجا دکرا اس قدر متاثر ہوا کہ بدھ دھرم پر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد دیوی ریاست بدھ دھرم کو ماننے لگی راجا دکرا کی ایک بیٹی تھی۔ بہت خوبصورت جیسے کوئی دیوی ہو۔ اس کا نام پاروتی تھا۔ راجا اپنی بیٹی کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

راجا کے مطابق راجا دکرا نے اپنی عزیز بیٹی کو رقص و موسیقی کی تعلیم دلانا شروع کی۔ اس وقت راج دھانی میں فن موسیقی کا ایک بہت بڑا ماہر کیلاش رہتا تھا کیلاش گو بہت غریب شخص تھا لیکن اس کا تمام اثاثہ اس کا فن تھا۔ اس میں ایک خاص بات تھی کہ وہ اپنا فن دوسروں کو نہیں سکھاتا تھا۔ اور اسی لئے وہ غریب تھا دولت اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ وہ ہر لمحے موسیقی میں غرق رہتا اور جب وہ ساز چھیڑتا تو بچے دریا ساکت ہو جاتے۔ ہر ایں جھومنے لگتیں اور ساری فضا میں نغمگی رچ بس جاتی۔

”راجا کی خواہش تھی کہ پاروتی کیلاش سے موسیقی کی تعلیم حاصل کرے۔ چنانچہ اس نے بڑی فمتوں کے بعد کیلاش کو راضی کر لیا کہ وہ اس کی بیٹی کو موسیقی سکھائے۔ کیلاش اس شرط پر راضی ہوا کہ راجا کی بیٹی خود اس کی کٹیا میں آیا کرے گی۔“

”پاروتی کا ہم عمر، کیلاش کا بھی ایک بیٹا تھا۔ اس کا نام اودے تھا۔ اودے بچپن ہی میں موسیقی میں طاق ہو گیا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ فن موسیقی میں ایک دن اپنے باپ سے آگے بڑھ جائے گا۔ اسے صرف رہائی کی ضرورت تھی اور بس۔ پاروتی جلد ہی اودے سے گھل مل گئی۔ پھر ہوتا یہ کہ اودے ساز چھیڑتا اور پاروتی

رقص کرتی۔ اس کے بدن کا انگ انگ اودے کی دھن پر بجلی کی طرح تھرتھاتا تھا۔ اس نے بھی بچپن ہی سے رقص میں بچپن کی حاصل کر لی تھی۔ ”کیلاش کی کٹیا کے قریب ہی مانتا بدھ کا مندر تھا۔ ہر روز شام ہوجتے ہی وہ دونوں مانتا کی مورتی سے آشیر واد لینے پہنچ جاتے۔ وہاں وہ دونوں ستار بجاتے اور رقص کرتے۔ مندر کا پجاری ان دو معصوم دلوں کو دیکھ کر جھوم اٹھتا۔ ہر روز رات گئے تک وہ دونوں مندر میں بھگوان کے چرنوں میں بیٹھے رہتے۔ جب وہ جوان ہوئے تو ایک دوسرے کے اور قریب ہو گئے۔ پوری راجدھانی میں ان کی محبت کا پھر چلتا تھا۔ اڑتے اڑتے یہ خبر راجا کو کرما کے کانوں تک بھی پہنچی و کرما نے بہت کوشش کی کہ پاروتی اور اودے ایک دوسرے کو بھول جائیں لیکن ہزار کا دلوں کے باوجود وہ دونوں اسی طرح ملتے رہے۔ جب کوئی بات نہ بنی تو راجا نے ایک دن اودے کو قلعے کے قید خانے میں بند کرادیا۔ یہ حربہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ سورج ڈوبتے ہی اودے کی آواز قید خانے کی تارکب کو ہٹھری سے نکل کر فضا میں ارتعاش پیدا کرتی اور پاروتی پاگلوں کی طرح مندر کی جانب بھاگتی اور بھگوان سے اودے کی رہائی کے لئے نئی کرتی۔ جب حالات زیادہ خراب ہو گئے اور پاروتی اودے کو کسی طرح نہ بھول سکی تو راجا جانے طیش میں آکر اودے کو قتل کر دیا۔

اور جب پاروتی کو اودے کی موت کا علم ہوا تو وہ پاگل ہوا اسی اور ایک رات مرنے پا کر محل سے فرار ہو گئی اس کا رخ اس مندر کی طرف تھا جہاں انہوں نے مانتا گوتم بدھ کو گواہ بنا کر ایک دوسرے کیساتھ رہنے کا عہد کیا تھا۔

مندر میں اس نے زہر کھالیا۔ اور بھگوان سے کہا: ”تو نے دیکھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ تیرے سامنے ہوا ہے۔ آج میں تیرے سامنے خود کو ختم کر رہی ہوں اور اس وقت تک میری آتما کو شانتی نہیں ملے گی جب تک اودے اپنے ہاتھوں سے میرے تلک نہ لگا دے“ وہ بظاہر مر گئی لیکن بھگوان نے اس کی خواہش پورا کرنے کی غرض سے اسے صدیوں تک حالت انتظار میں رکھا اور وہ اسکے چرنوں میں اس طرح پڑی رہی جس طرح اس نے زہر پی کر دم توڑا تھا۔ صرف مندر کا پجاری اس راز سے واقف تھا۔ اور وہ میں ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ بھگوان نے اسکی آواز سن لی ہے اور پھر میں نے عہد کیا کہ میں پاروتی کی آتما کو شانتی دلاؤں گا۔ پاروتی صدیوں سے مانتا گوتم بدھ کی مورتی کے چرنوں میں اپنے دوبارہ زندہ ہونے اور اودے کے آنے اور تلک لگانے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس معصوم کا تلک لگانے کا ارمان دل ہی میں رہ گیا تھا۔

”مجھے یقین تھا کہ میں ایک دن پاروتی کے اودے کو اس کے پاس واپس لاسکوں گا۔ یہ اس وقت ممکن تھا جب دوسرے جنم میں اودے مجھے ملتا۔ وہ مجھے کہیں نہیں ملا۔ کئی جنموں کے بعد اس دن میں نے اودے کو دیکھ لیا۔ اب پاروتی کو سکون مل گیا ہے۔ اور بھگوان کے سامنے میں نے جو عہد کیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ میں نے اس کی تلاش میں صدیوں پیساک کی ہے وہ دونوں آفر مل گئے۔ میں نے انکے لگن کی آخری رسم انجام دے دی۔ تم نے دیکھا وہ کتنے خوش تھے وہ ہزاروں سال قبل کی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ جسے تم نہیں سمجھ سکتے اور جسے اب میرے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔“

”پر دہت جب یہ داستان سارا تھا تو میرے
جسم پر رشتہ سا طاری تھا۔ میں خود کو قابو میں کئے ہوئے
تھا۔ وہ آخر میں کہنے لگا۔

”میں کوشش کروں گا کہ تمہارا دست پھلی یاٹوں
کو چہرے سے بھول جائے۔ ممکن ہے وہ بین چار دن میں
تمہارے پکس پہنچ جائے۔ اس کے بعد پر دہت
اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ صبح قریب تھی۔ میں
جیسے تیسے گھر پہنچا اور آتے ہی مجھے تیز بخار ہو گیا۔
مجھ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔

”جب چار دن بعد میری حالت سنبھلی تو میں
نے اشوک کے بارے میں دریافت کیا۔ گھر والوں نے
لاٹلی کا اظہار کیا کہ وہ جس وقت سے میرے ساتھ گیا
ہے اس وقت سے انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔

”دوسرے دن میری حالت کچھ ٹھیک ہو گئی۔
میں جڑواں ہو کر بڑے مندر میں پہنچا۔ وہاں بڑھا موڑ
نہیں تھا۔ جب میں نے اس کی کٹیا پر جا کر دیکھا تو وہ بھی
ویران پڑی تھی۔

”اس کے متعلق میں نے دوسرے پردہتوں سے معلوم
کیا تو پتا چلا وہ چار دن سے اچانک غائب ہو گیا ہے
اس کے بعد مجھے اشوک کہیں نظر نہیں آیا۔ میں نے
اسے کئی بار مندر میں جا کر تلاش کیا۔ میں نے اس راستے
پر بھی جانے کی کوشش کی جہاں سے بڑھا پردہت ہمیں
ملے گیا تھا مگر اس وقت اندھیرا تھا۔ مجھے کچھ نہیں یاد
رہا۔ میں نے تمام پہاڑیوں اور بدھوں کے ہر مقدس مقام
کو چھان مارا مگر کہیں بھی اس کا پتا نہ چلا۔ میرے عزیز
دوست کے اس طرح روپوش ہو جانے سے مجھے جو صدمہ

ہوا تھا اس کا حال تم گھر والوں سے پوچھو۔ آج اس واقعے
کو ۲۵ سال گزر چکے ہیں۔

”کوئی پانچ سال ادھر کی بات ہے کہ تار بجاتے
ہوئے ایک بوڑھے شخص کی لوگ تعریف کر رہے تھے کہ
کل بڑے مندر میں مہاتما بدھ کی مورتی کے سامنے وہ
ایسا ستارہ بجاتا رہا۔ سننے والوں کو جس کی تاب لانا
مشکل ہو گیا۔ میں یہ خبر سنتے ہی بڑے مند کی طرف بھاگ
مگر وہ وہاں سے جا چکا تھا۔ میں نے لوگوں سے اس کا
حلیہ دریافت کیا۔ انہوں نے کہا: ”اسکے گلے میں ایک کالا
پٹری تھی۔ اس کی انگلی کٹی ہوئی تھی وہ کسی سے بات
نہیں کرتا تھا۔ صرف تار بجاتا رہا اور لوگ ایسے سحر
ہوئے کہ سب کچھ بھول گئے۔ پھر وہ انہیں اسی عالم میں
چھوڑ کر مہاتما کی مورتی کے پاس گیا اور وہاں اپنا سر پھڑ
پھڑ کر ہولناں کر لیا۔ وہ جو دعائیں مانگ رہا تھا وہ
کسی اور زبان میں تھیں۔ لوگ اسے دیکھ سکے۔“

”پھر وہ وہاں سے چلا گیا اور کہاں گیا یہ کسی کو
معلوم نہ ہو سکا۔ میں نے گیا کے نواح میں اسے تلاش
کرنے کی بہت کوشش کی۔ وہ اشوک تھا۔ وہ یقیناً
اشوک تھا۔ جو ماضی میں رہ رہا ہے۔ اور اپنی حسین
پاروتی کے لئے نہ جانے کہاں کہاں گھوم رہا ہے۔
”ماموں جان خاموش ہو گئے، انکی آنکھوں سے
آنسو رواں تھے، انکے متفکر چہرے پر مین امید کی ایک
کرن بھی دیکھی جیسے انہیں اب بھی یقین ہو کہ اشوک
واپس آجائے گا۔ کاش اشوک واپس آجائے! مجھے
آئے ہوئے چھ سال سے زائد ہو گئے ہیں۔ سنا ہے ماموں
جان اب بھی بڑے مندر میں جا کر پوچھتے ہیں کہ تم نے
کسی ستارہ نواز کو تو نہیں دیکھا۔